اقبالیاتی ادب

علمی مجلّات کے مقالات کا تعارف

ادارہ

ڈاکٹر شاہد اقبال کامران، ''اقبال کی مثنوی اسرار خودی—— چند ابتدائی مباحث''، الاقرباء اسلام آباد، جنوری۔ مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۴۰-۵۶۔

علامہ اقبال کا اساسی فلسفہ ان کی معروف مثنوی اسرار خودی میں ملتا ہے۔ اس اساسی فلسفے کی تکمیل اسرار خودی سے تین برس بعد شائع ہونے والی مثنوی اسرار بے خودی میں ہوتی ہے۔ مثنوی کے مطالب کی اہمیت کے پیش نظر اقبال اسے اپنی زندگی کا مقصد تک قرار دیتے ہیں۔ مثنوی کی اشاعت کے بعد فوری ردعمل کے طور پر جس طرح کے مباحث کا آغاز ہوا، اقبال کو ان کی توقع نہ تھی۔ مثنوی کے مخاطب لوگوں نے مثنوی کے معنی و مفہوم پر توجہ کرنے کی بجائے اس پر طرح طرح کے اعتراضات کھڑے کر دیے۔ اعتراضات کی بنیادی وجہ خواجہ حافظ کے بارے میں تنقیدی اشعار تھے۔ صوفی حلقوں میں حافظ کو مذہبی تقدس حاصل تھا لہٰذا اقبال کی اس تنقید کو ایک عظیم صوفی کی توہین قرار دیا گیا۔ اعتراض کی دوسری وجہ مثنوی کا اردو دیباچہ تھا۔ یہ دیباچہ اقبال کے فلسفۂ خودی کو سمجھنے کے لیے متاثر کن دستاویز کا درجہ رکھتا ہے لیکن مخالفین نے اس کو بھی ہدف تنقید بنا لیا۔ ایک اعتراض کتاب کے انتساب پر بھی تھا کہ خودی کی تعلیم دی جا رہی ہے اور خود مصنف کتاب کا انتساب ایک ایسے شخص کے نام کر رہا ہے جس سے دنیاوی مفاد کی توقع ہو سکتی ہے۔

یوں مثنوی اسرار خودی کی اشاعت کے ساتھ ہماری اجتماعی زندگی میں جن مباحث کا آغاز ہونا چاہیے تھا وہ تو نہ ہوا، البتہ ان چیزوں کو موضوع بحث بنا لیا گیا جو اقبال کے پیش نظر نہ تھیں۔

ان معترضین میں خواجہ حسن نظامی کی شخصیت بہت اہم ہے۔ ان کے ایما پر اور لوگوں نے بھی اقبال پر تنقید کا فرض نبھایا۔ بہرحال اقبال نے ان اعتراضات کو یوں رفع کیا کہ آیندہ ایڈیشن میں دیباچہ جو مختصر ہونے کی بنا پر غلط فہمی کا سبب بن رہا تھا حذف کر دیا۔ حافظ کے متعلق اشعار کو بھی خارج کر دیا اور سر علی امام کے نام کتاب کا انتساب بھی حذف کر دیا۔ مختصر یہ کہ اقبال نے ان اعتراضات کا باعث بننے والی چیزوں کو حذف کر کے معترضین کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ اعتراضات کی جنگ سے نکل کر مثنوی کے مطالب پر توجہ کریں۔

☆☆☆

محمد موسیٰ بھٹو، ''اقبال کا فلسفۂ عشق اور اس کے اہم اجزا'' [۴/اقساط]، بیداری، حیدر آباد سندھ، شمارہ ۶۸-۷۱، نومبر ۲۰۰۸ء-فروری ۲۰۰۹ء۔

اقبال کا کہنا ہے کہ عشق ہی وہ قوت ہے جو افراد کی تعمیر کا کردار ادا کرتی ہے۔ عشق سے وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے نفس مادی کثافتوں سے بلند ہو کر جوہر انسانیت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اقبال کی نظر میں شخصیت کی تعمیر کے سلسلے میں عشق سے بڑھ کر سرے سے کوئی قوت ہی موجود نہیں۔

عشق سے جو زندگی نمود میں آتی ہے وہ یقین کی پختگی سے سرشار ہوتی ہے۔ وہ اخلاص و بےلوثی سے بھرپور ہوتی ہے۔ وہ محبوب حقیقی کے لیے فدا کارانہ جذبات کا نمونہ ہوتی ہے۔ وہ معصومانہ جذبات اور پاکیزگی اور پاکبازی سے عبارت ہوتی ہے۔ یہی عشق ہے جسے اقبال نے اپنے کلام کا مرکزی نکتہ بنایا ہے۔ حق و صداقت پر قائم رہنے کی قوت کا حاصل ہونا، نفس اور شیطانی قوتوں کے خلاف مزاحمانہ کردار کی صلاحیت کا پختہ ہونا، گناہوں سے کراہت و نفرت کا پیدا ہونا، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور احکام الٰہی پر مداومت کا حاصل ہونا حقیقی عشق کے لازمی نتائج ہیں ـــ جہاں ایمان کے باوجود یہ قوت حاصل نہیں، وہاں یہ سمجھا جائے گا کہ عشق جو ایمان کا لازمی نتیجہ ہے وہ مضمحل حالت میں ہے۔ عشق کا لازمی نتیجہ اللہ کی محبت کے زیر اثر نفسی قوتوں کی پامالی ہے اور حبِ جاہ و حب مال اور انانیت جیسے بتوں سے نجات ہے۔

اقبال اپنے کلام کے ذریعے مسلم امت میں ایسے افراد کا طاقتور گروہ پیدا کرنا چاہتے تھے جو ایک طرف آتشِ عشق میں جل کر نفسی قوتوں کو حد اعتدال میں رکھنے اور انھیں قابلِ ذکر حد تک مطیع کرنے کے نقطہ نگاہ کے قائل ہوں۔ یعنی جو عشق کے مرکزوں سے کھلے دل سے روحانی استفادہ کے لیے تیار ہوں تو ساتھ ساتھ وہ دور جدید کے علمی، عملی، نظریاتی اور عالمگیر تہذیبی چیلنج کا شعور بھی رکھتے ہوں۔ جو روایتی تصوف کے زیر اثر لکیر کا فقیر بننے کی بجائے امت کے تہذیبی اداروں سے بھرپور روحانی اور علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ جدید کی عقلی و سائنسی ترقی اور جدید نظریات کے مثبت علمی پہلوؤں سے اخذِ فیض کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہوں۔

اقبال کے فلسفۂ عشق میں چند نکات کا بیان اس قدر مربوط و مستحکم ہے کہ انھیں ان کے فلسفۂ عشق کے مرکزی نکات قرار دیا جاسکتا ہے:

۱- اقبال کے ہاں عقل کے بجائے دل کا ارتقا و سلامتی زیادہ بامعنی اور مؤثر عمل ہے۔
۲- اقبال کے فلسفۂ عشق کا دوسرا مرکزی نکتہ حسنِ اعلیٰ کی ہستی کا ذکر و فکر ہے۔
۳- اقبال کے فلسفۂ عشق کا تیسرا نکتہ صاحبانِ دل کی صحبت ہے۔

۴- نفس کو مہذب بنانے کی کاوش۔
۵- دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق بدلنے کی جدوجہد۔

☆☆☆

امتیاز حسین، ''اقبال اور تصور زمان و مکان۔ خودی و بے خودے کے تناظر میں''، ادب لطیف، لاہور، مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۱۲-۲۸۔

اقبال کے تصور زمان و مکان کے مطالعہ کے لیے اُن دیگر تمام تصورات کا مطالعہ ناگزیر ہے جن سے یہ تصور مربوط ہے اور اثر پذیر ہوا ہے۔ مسئلہ زمان و مکان سے دلچسپی ان کی پہلی فارسی مثنوی اسرار خودی میں بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ اسرار خودی میں مسئلہ زمان و مکان ایک پُر اسرار طاقت کی حیثیت سے پیش ہوتا ہے۔ مگر پیام مشرق میں یہ ایک خوف ناک ظالم دیوتا کی صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔ اس ہیبت ناک ظالم دیوتا کی نظر میں بہتے ہوئے خون کا منظر موسم بہار کے حسین منظر سے بھی بہتر ہے۔ جاوید نامہ میں زروان (روح زمان و مکان) کے نام سے اسے موسوم کیا گیا ہے۔

اقبال کو مسئلہ زمان و مکان میں اس قدر دلچسپی لینے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ حسی علوم سے مرعوب لوگوں کے لیے یہ واضح کیا جا سکے کہ حسی فلسفے اور مذہب مزید برآں مذہب اور سائنس میں کسی قسم کا تضاد نہیں پایا جاتا۔

اقبال کو مسئلہ زمان و مکان پر غور و فکر کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ وہ مسلم فلسفیوں کے ان نظریات سے یورپ کو روشناس کرانا چاہتے تھے اور وہ اس کے اچھے اثرات کی توقع بھی رکھتے تھے۔

اقبال نے اپنے خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں متعدد مقامات پر مسئلہ زمان و مکان کو صراحت سے بیان کیا ہے اور اس کی روشنی میں الٰہیات اور مذہب کے مختلف اصولوں کا بڑے غور سے جائزہ لیا ہے۔ اقبال کو پختہ یقین تھا کہ اگرچہ حکمت اور سائنس محدود ہیں اور ہماری روحانی زندگی اور قلبی واردات کی رہنمائی سے قاصر ہیں لیکن پھر بھی سائنس اور حکمت انسانیت کے لیے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

اقبال نے خطبات میں اشاعرہ، معتزلہ، فرقوں اور اشعری، طوسی، عراقی، کے ساتھ ساتھ جدید فلاسفروں اور سائنسدانوں ڈیکارٹ، نیوٹن، نطشے کے تصورات کا بھی تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اقبال کا تصور زمان و مکان ان کے تصور الٰہ، تصور کائنات اور تصور انسان سے اثر پذیر ہوا ہے۔ اقبال نے نوجوان شاعر کی حیثیت سے زمان کو قدرے محدود تصور پیش کیا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اس میں وسعت پیدا ہوگئی اور پھر وہ زمان کی تخلیق اور انفرادیت کے اہم عنصر کی حیثیت دینے لگے۔ اقبال پہلے ایشیائی مفکر

ہیں جنھوں نے اس فلسفیانہ مسئلے کو شاعری میں بیان کیا ہے۔ اُن کا یہ تصور کسی حد تک ان کے ادب کو لازوال اور پائیدار بنانے کا موجب ہے۔

☆☆☆

عبدالرشید عراقی، ''علامہ اقبال اور حدیث نبویؐ''، میثاق، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص ۷۷-۸۲۔

بعض لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اقبال منکر حدیث تھے۔ ان کے ہاں دین میں حدیث حجت نہیں تھی۔ یہ پروپیگنڈا صریحاً جھوٹ پر مبنی ہے۔ اگر اقبال کے منظوم اور منثور کلام کو دیکھا جائے اور خود علامہ کی نجی زندگی کے عملی شواہد پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اقبال حدیث کو دین میں حجت تسلیم کرتے تھے۔ منظوم کلام میں تو بکثرت ایسے اشعار موجود ہیں جن میں آپ نے بعض احادیثِ رسولؐ کو نظم کیا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال کے عشق رسولؐ کے چرچے کا کسے علم نہیں ہے۔

علامہ اقبال کے مثبت تصور حدیث کی شہادتیں تو اُن کے متعدد اکابر معاصرین نے بھی دی ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالمجید سالک، سید عبداللہ، حکیم محمد حسن قرشی اور کلام اقبال کے مشہور شارح پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اقبال کے نظریۂ حدیث پر مثبت رائے دی ہے۔ اقبال کے اردو اور فارسی کلام میں ایسے اشعار کی نشاندہی بعض مصنفین نے اپنی کتب میں کی ہے۔ خود کلام اقبال کا مطالعہ کرنے سے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اقبال نے حدیثِ رسولؐ کو کس خوبی سے اپنی شاعری میں سمویا ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر سید وقار احمد رضوی، ''فکر اقبال کے جدید پہلو''، قومی زبان، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء، ص ۵-۱۴۔

اقبال اور بیدل و غالب کا بنیادی فرق یہ ہے کہ اقبال نے مشرق و مغرب دونوں فلسفوں کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا کلام فلسفیانہ حقائق سے معمور ہے۔ اقبال کے ہاں فلسفے کو اولیت حاصل ہے اور شاعری کا مرتبہ ثانوی ہے جبکہ بیدل اور غالب کے ہاں صورت برعکس ہے۔ اقبال، کندی، فارابی، ابن سینا، ابن عربی کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں جبکہ بیدل اور غالب کے ہاں کوئی مربوط فلسفۂ حیات نہیں۔

اقبال علم، عشق اور عقل کی طاقتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ علم سے دماغ کو روشن کرتے ہیں اور عشق سے دل کی رہنمائی کا کام لیتے ہیں، وہ عقل اور عشق کو ساتھ ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ علم دولت عشق سے بہرہ مند ہو تو زور پکڑتا ہے ورنہ خیالی نیام ہے، علم فقیہ و حکیم بن سکتا ہے مگر دانائے راز نہیں، وہ روشنی کا جویا تو ہو سکتا ہے مگر روشنی نہیں بن سکتا۔

علم اقبال اور رومی کے ہاں بہت اہم ہے۔ عقل و عشق بھی ان کے ہاں ایک دوسرے کی ضد نہیں البتہ دونوں کے طریق الگ الگ ہیں۔

بیدل کی شاعری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خودی کے متعلق لکھتے وقت اقبال کی نظر بیدل کے کلام پر تھی۔ کیونکہ خودی کے مضامین اور خود شناسی کی تعلیم بیدل کے ہاں ملتی ہے۔ مگر اقبال کی خودی بیدل کی خودی سے مختلف ہے۔ بیدل اور غالب کے ہاں خودی کا جو تصور ہے وہ خود داری یا خودنگری کے معنی میں ہے۔ اقبال کے ہاں خودی کا تصور بہت وسیع ہے۔

غالب نے بیدل، ظہوری، صائب، عرفی اور نظیری کے مطالعے سے اپنے لیے ایک جہانِ تازہ پیدا کیا ہے۔ اقبال نے بیدل، غالب، نطشے، برگساں، ہیگل، رومی اور شوپنہار کے مطالعے سے اپنے لیے الگ راہ استوار کی۔ اقبال کے ہاں مقصد آفرینی برگساں کے تخلیقی ارتقا سے متاثر ہوئی۔

غالب کا فلسفیانہ کلام طرز بیدل کی ارتقائی شکل ہے۔ اقبال بیدل اور غالب دونوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ اقبال کی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے مشرق و مغرب کی بہترین درس گاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ مشرقی افکار سے مستفید ہوئے اور مغربی فلسفہ دانوں کا بھی بغور مطالعہ کیا۔ بیدل اور غالب کو مغربی ادبیات تک رسائی نہ ہوسکی۔ یہ بات کسی حد تک واضح ہو جاتی ہے کہ غالب اور اقبال، بیدل کی فکر کی پیداوار ہیں۔ بیدل کے کلام میں جو رفعت تخیل اور حکیمانہ تفکر ہے اس نے دونوں مفکرین کو متاثر کیا۔

☆☆☆

سیّد شرازعلی، ''مغرب کے سیاسی نظام اقبال کی نظر میں''، قومی زبان، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء، ص ۳۰-۳۵۔

اقبال کو مغرب کے سیاسی نظاموں سے خواہ وہ جمہوریت ہو یا ملوکیت یہ شکوہ رہا کہ یہ تمام نظام مذہب کے اخلاقی اور روحانی اصولوں سے علیحدگی کے سبب مادی اغراض کی تکمیل کے لیے کمزوروں کو نشانۂ ستم بناتے ہیں۔

تہذیب کے پردے میں غارت گری اور آدم کشی کرنے والوں کو جب اپنی مادہ پرست اور سامراجی ذہنیت کے سبب پہلی عالمی جنگ کے نتائج بھگتنے پڑے تو انھوں نے لیگ آف نیشن قائم کی جس کا ظاہری مقصد تو آیندہ نسلوں کو جنگ بندی کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنا تھا مگر حقیقت میں اس لیگ کے قیام میں بھی بڑی طاقتوں کے اپنے مفادات و عزائم پوشیدہ تھے۔

اس جمعیت اقوام کے تناظر میں دیکھا جائے تو اقوام متحدہ کا کردار بھی داشتۂ پیرک افرنگ سے کچھ جدا نہیں اور اقبال نے جمعیت اقوام کے اس کردار پر سخت تنقید کی ہے۔ نام نہاد جمہوریت کے علمبرداروں نے دنیا پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے اور سامراجیت کو تقویت دینے کے لیے جو ادارہ قائم کر رکھا ہے امریکا کے ہاتھوں یرغمال بنا نظر آتا ہے۔ باوجو بلند بانگ دعووں کے اقوام متحدہ کی نسلی اور علاقائی عصبیت پوشیدہ نہیں۔ پوری دنیا پر اپنے نظریات اور طرز معاشرت مسلط کرنے کے لیے امریکا نے جمعیت اقوام کو ہتھیار بنا رکھا ہے اور اس کی آڑ میں خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

مغرب کے سامراجی نظاموں کے خلاف ہونے والا ردعمل اشتراکیت کی شکل میں سامنے آیا تو اقبال نے شروع میں اس کے مثبت پہلوؤں کو سراہا۔ اقبال کی اس بادی الرائے طرز کی حمایت سے لوگوں نے غلط مفہوم اخذ کیا اور ان پر اشتراکیت کا لیبل لگا دیا۔ اقبال نے اپنی پوزیشن صاف کرتے ہوئے فرمایا: ''میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی اغراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔''

دراصل اقبال نے ایسی آزاد جمہوریت کا خواب دیکھا تھا جس میں معاشی و معاشرتی مساوات قائم ہو، انسانی جذبات و احساسات کا احترام کیا جاتا ہو۔ معاش کے ذرائع سے اعلیٰ طبقوں کی بالادستی ختم ہو اور کسب معاش کے یکساں ذرائع عوام کو حاصل ہوں۔ اقبال کی نظر میں ایسی جمہوریت قابلِ قدر نہیں جو صرف چند طبقات کے مفادات کا خیال کرے۔

☆☆☆

اقبالیاتی ادب کے ضمن میں مزید مقالات کو درج ذیل فہرست میں اختصار کی غرض سے درج کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ مقالات کی طرح پہلے مصنف کا نام، پھر مقالے کا عنوان، اس کے بعد مجلّے کا نام، اس کے بعد ماہ و سال اور پھر صفحات کا اندراج کیا گیا ہے۔

- پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری، ''اقبال اور آل انڈیا مسلم کانفرنس''، حکیم الامت، سری نگر، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۶-۹۔
- ڈاکٹر جاوید اقبال، ''اقبال ایک باپ کی حیثیت سے''، حکیم الامت، سری نگر، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۱۰-۱۲۔
- ڈاکٹر سید تقی عابدی، ''جاوید نامہ''، حکیم الامت، سری نگر، جنوری ۲۰۰۹ء، ص ۱۳-۱۷۔
- خادم حسین، ''اقبال کا ترانۂ ہندی''، کریسنٹ، ۰۹-۲۰۰۸ء، ص ۲۷-۳۲۔
- ایم رمضان گوہر، ''اقبال اور توحید''، اردو نامہ، لاہور، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۸-جنوری-مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۱-۱۴۶۔
- رشید احمد رشید تراپ، ''علامہ اقبال اور تصور مردِ مومن''، اردو نامہ، لاہور، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۸، جنوری-مارچ ۲۰۰۹ء، ص ۱۴۷-۱۵۲۔
- افتخار شفیع، ''مسئلۂ فلسطین اور علامہ اقبال''، اردو نامہ، لاہور، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۸، جنوری-مارچ

۲۰۰۹ء، ص۱۵۳-۱۶۰۔

- ڈاکٹر سید تقی عابدی، ''علامہ اقبال کی نعتیہ شاعری'' حکیم الامت، سری نگر، بھارت، فروری-مارچ ۲۰۰۹ء، ص۶-۹۔
- عطاء اللہ خان، ''علامہ اقبال کا تصور''، ہمقدم، لاہور، فروری ۲۰۰۹ء، ص۸-۹۔
- حافظ غلام مرشد مرحوم، ''علامہ اقبال سے سعادت مندانہ ملاقاتیں'' طلوع اسلام، لاہور، مارچ ۲۰۰۹ء، ص۵۴-۶۴۔
- چودھری محمد حسین، ''جاوید نامہ''، آفاق، لاہور، مارچ ۲۰۰۹ء، ص۳۲-۳۴۔
- محمد اسحاق، ''جب اقبال کے خواب کو حقیقت ملی''، نظریۂ پاکستان، لاہور، مارچ ۲۰۰۹ء، ص۳۹-۴۰۔
- نعیم صدیقی، ''اقبال سے ایک ملاقات''، قومی ڈائجسٹ، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۵۹-۶۰۔
- روحی بطبی، ''شاعر مشرق علامہ محمد اقبال''، قومی ڈائجسٹ، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۱۸-۲۹۔
- ڈاکٹر سید وسیم الدین، ''کتاب اقبال اور عشقِ رسولؐ کا مطالعہ''، قومی ڈائجسٹ، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۳۶-۳۸۔
- محمد تقی خان، ''اقبال کی قدر و قیمت''، قومی ڈائجسٹ، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۳۹-۴۲۔
- علامہ محمد اقبال، ''خطبۂ صدارت سالانہ اجلاس آل انڈیا مسلم لیگ مارچ ۱۹۴۰ء''، تہذیب الاخلاق، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ۹-۳۱۔
- ممتاز حسن، ''اقبال ایک پیغمبر کی حیثیت سے'' [قسط ۱،۲]، آفاق، لاہور، اپریل، مئی ۲۰۰۹ء، صفحات ۵-۷، ۳۲-۳۴۔
- پروفیسر محمد حنیف شاہد، ''حضرت علامہ اقبال اور حضور اکرمؐ، مکاتیب اقبال کی روشنی میں''، نظریۂ پاکستان، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۵-۷۔
- ڈاکٹر عبدالحمید، ''علامہ اقبال بحیثیت مفکر پاکستان''، نظریۂ پاکستان، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۸-۱۴۔
- محمد غلام ربانی، ''علامہ اقبال کی شاعری میں مکالماتی انداز''، نظریۂ پاکستان، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۱۵-۱۷۔

- ممتاز لیاقت، ''اقبال کی نگاہِ انتخاب قائداعظم پر کیوں پڑی؟''، نظریہ، اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۳۔
- ڈاکٹر تاثیر، ''یہ فیضانی لمحہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا''، نظریہ، اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۱۳۔
- رشید اے رشید تراپ، ''شاعر مشرق اور اردو کی قدر دانی''، نظریہ، اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۱۷-۱۹۔
- ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ''مصر میں اقبال کی خوشبو''، اخبار اردو، اسلام آباد، مئی ۲۰۰۹ء، ص۲۹-۳۰۔
- ڈاکٹر سید محمد فرید، ''پندنامہ''، اورینٹل کالج میگزین، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۸۹-۹۸۔
- ڈاکٹر جاوید اقبال، ''اقبال اور پاکستان کے محمود و ایاز''، حکیم الامت، سری نگر، بھارت، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۵-۷۔
- ڈاکٹر سید تقی عابدی، ''علامہ اقبال کی مثنوی سورۂ اخلاص کا ترجمہ''، حکیم الامت، سری نگر، بھارت، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۸-۱۲۔
- ڈاکٹر ہلال نقوی، ''فرہنگ اقبال (فارسی) از نسیم امروہوی''، نظریۂ پاکستان، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۱۳-۱۷۔
- عرفان ترابی، ''اقبال اور علامہ شیخ زنجانی''، نظریۂ پاکستان، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۴۶-۴۸۔
- ڈاکٹر محمد سلیم، ''علامہ اقبال اور ڈاکٹر تاثیر''، تہذیب الاخلاق، لاہور، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۳۲-۳۹۔
- ڈاکٹر شاہدہ یوسف، پیام مشرق کی نظم ''تسخیر فطرت'' کی ڈرامائی ہیئت''، قومی زبان، کراچی، اپریل ۲۰۰۹ء، ص۱۵-۱۷۔

❀.....❀❀.....❀